ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

حکمتِ اقبال (۱۲)

کائناتی شعور کی صفات

سر جیمز جینز شعور کی صرف ایک صفت یعنی کامل ذہانت یا کامل ریاضیاتی فکر تسلیم کرتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب ہم شعورِ عالم کی ایک صفت ریاضیاتی ذہانت کے قائل ہو جائیں تو ہم اس نتیجہ کو روک نہیں سکتے کہ اس کے اندر وہ تمام صفات موجود ہیں جو ہمارے علم کے مطابق شعور کا خاصّہ ہیں اور بغیر کسی استثنا کے ریاضیاتی ذہانت کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔

سر جیمز جینز نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شعورِ عالم ریاضیاتی فکر کے اعتبار سے ہمارے ہی شعور کی طرح ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ وہ شعور کی دوسری صفات کے اعتبار سے بھی ہمارے ہی شعور کی طرح نہ ہو۔ جہاں تک ہمارے تجربہ کا تعلق ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ شعور کے اندر ریاضیاتی فکر تو موجود ہو لیکن شعور کی دوسری صفات مثلاً محبّت، اخلاق، جذبات، طلب، مدّعا وغیرہ موجود نہ ہوں۔ جس طرح دُھواں تنہا نہیں ہوتا بلکہ آگ اور اس کی حرارت کے ساتھ پایا جاتا ہے اسی طرح سے ریاضیاتی ذہانت تنہا نہیں ہوتی بلکہ شعور کی باقی صفات کے ساتھ ان کے ایک پہلو کے طور پر پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ کے متعلق جہاں سے دُھواں نکل رہا ہو یہ کہے کہ ہم دھوئیں کی حد تک تو جانتے ہیں کہ وہاں ضرور موجود ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہاں آگ بھی ہے تو یہ مؤقف علمی اور عقلی طور پر درست نہیں ہو گا۔ جہاں ذہانت اور ریاضیاتی فکر کے اوصاف بدرجۂ کمال ہوں گے وہاں شعور کی باقی صفات کا بحالت کمال ہونا بھی ضروری ہے۔ کامل ترین ذہانت کامل ترین شعور کا ہی ایک وصف ہو سکتی ہے اور کامل ترین شعور وہ ہے جو کامل طور پر اپنے آپ سے آگاہ اور خود شناس اور خود شعور ہو۔ اس لیے شعور ایک

aid.com

ریاضیاتی فکر ہی نہیں بلکہ اپنے آپ سے بدرجہ کمال آگاہ ہونے کی وجہ سے ایک کامل شخصیت یا انا یا ایغو ہے۔ اس کائناتی خودی یا ایغو کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتا ہے اسی کے مقصد نے کائنات اور جسم انسانی کو پیدا کیا ہے اسی کے مقصد کا دوسرا نام انسانی خودی ہے۔

انسانی خودی کا مرکزی وصف خدا کی محبت ہے

انسانی خودی کا سب سے بڑا اور مرکزی وصف یہ ہے کہ اس کے اندر خدا کی محبت کا ایک طاقتور جذبۂ عمل میں اپنا اظہار پانے کے لیے ہر وقت بیتاب رہتا ہے یہ جذبہ اس قدر طاقتور ہے کہ اگر یہ بھٹک کر انسان کی کسی اور خواہش کو اپنا مقصود نہ بنا لے تو انسان کی تمام انسانی اور حیوانی قسم کی خواہشات کو اپنے تابع رکھتا ہے۔ اور اس کو اپنی غرض کے لیے استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا انسان فقط خدا کی محبت کا ایک طاقتور جذبہ ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اگر یہ جذبہ ختم ہو جائے تو انسان بھی باقی نہ رہے۔

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیانِ مشتاقی

اقبال نے مریدِ ہندی اور پیرِ رومی کی ایک گفتگو نظم کی ہے۔ اس میں جب مریدِ ہندی پیرِ رومی سے پوچھتا ہے کہ آدمی کی حقیقت کیا ہے "خبر یا نظر" تو پیرِ رومی جواب دیتا ہے:۔

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

(آدمی کی حقیقت دیدار ہے اور دیدار سے مراد دوست یعنی خدا کا دیدار ہے۔ اس کے علاوہ آدمی جو کچھ ہے وہ اس کا چھلکا ہے)

خدا کی خواہش خودی کی اپنی خواہش ہے اور انسان کی حیوانی خواہشات خودی کی اپنی خواہشات نہیں بلکہ انسان کے جسم کی خواہشات ہیں۔ جسم خودی کا خدمت گزار ہے اس کا حاکم نہیں اس کی وجہ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں یہ ہے کہ خودی انسان کے جسم سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ خودی نے اپنی غرض کے لیے انسان کے جسم کو اس کی تمام حیوانی قسم کی خواہشات سمیت جو اس کی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے کام کرتی ہیں، پیدا کیا ہے تا کہ خودی اپنے پیدا کیے ہوئے زندہ جسم

© rasailojaraid.com

میں موجود رہ کر خدا کی محبّت کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔
خودی کی حقیقت کا راز یہ ہے کہ وہ خدا کو چاہتی ہے اور اُس کے سوائے اور کچھ نہیں چاہتی اور خدا کی محبّت اُسے تیغِ برّاں بنا دیتی ہے۔

خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ الاّ اللہ　　خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الاّ اللہ

وہ شخص جو اپنے جسم کو ہی اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیتا ہے وہ اپنی خودی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرے اور نشوونما پاکر مکمّل ہو جائے۔ لہٰذا وہ اپنی اس غیر دانشمندانہ روش کے شدید نقصانات کو اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں بھی جھیلتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دوسروں کی زمین میں گھر بنا لے اور بعد میں لوگ اسے گرا دیں یا دوسروں کا کام کرنے میں اپنی زندگی صرف کر دے اور اپنا کوئی کام نہ کرے اور بعد میں کفِ افسوس ملتا رہے۔ مولینا روم ایسے شخص کو تنبیہہ کرتے ہیں:-

در زمینِ مردماں خانہ مکن
کارِ خودکن کارِ بیگانہ مکن
کیست بیگانہ تنِ خاکیے تو
کز برائے اوست غمناکیے تو

شاید یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا کوئی عقلی اور علمی شواہد ایسے ہیں جو اقبال کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ انسان کا مرکزی وصف خدا کی محبّت ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلے انسان اور حیوان کے فرق پر غور کرنا چاہیے۔

ایک مثال سے انسان اور حیوان کے فرق کی وضاحت

اِس میں شک نہیں کہ جبلتی یا حیوانی خواہشات مثلاً جبلتِ تغذیہ، جبلتِ غضب، جبلتِ فرار، جبلتِ جنس، جبلتِ امومت، جبلتِ تفوّق، جبلتِ انقیاد وغیرہ انسان اور حیوان دونوں میں مساوی طور پر موجود ہیں اس کے باوجود حیوان اور انسان میں کم و بیش کا فرق نہیں بلکہ مخلوقات کی قسم کا فرق ہے یعنی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان ایک برتر اور بہتر قسم کا حیوان ہے یا حیوان ایک کمتر یا

پست تر درجہ کا انسان ہے بلکہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انسان مخلوقات کی ایک قسم ہے جو حیوانات سے بالکل جُدا اور ممتاز اور ممیّز ہے۔

ایک ایسی گھوڑا گاڑی کا تصوّر کیجئے جس میں بارہ گھوڑے اس طرح سے جُتے ہوئے ہیں کہ ہر گھوڑا جدھر چاہے جا سکتا ہے اس قسم کی ایک گاڑی میں اگر گھوڑوں کو ضبط میں رکھنے والا کوچوان نہ ہوگا تو گاڑی کبھی دائیں طرف حرکت کرے گی اور کبھی بائیں طرف اور کبھی ٹھہر جائے گی اور پھر کبھی ایک رُخ پر اور کبھی دوسرے رُخ پر چلنے لگے گی لیکن اگر ہم دیکھیں کہ گاڑی نہایت تیزی اور آسانی کے ساتھ ایک خاص سمت میں حرکت کر رہی ہے اور نہایت عمدگی اور صفائی کے ساتھ جہاں جہاں ضرورت ہوتی ہے راستوں کے موڑ کاٹتی چلی جاتی ہے تو ہم فوراً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ گاڑی کے اندر کوئی ہوشیار کوچوان موجود ہے جو گھوڑوں پر پورا ضبط اور کنٹرول رکھتا ہے اور ہر ایک کو روک کر ایک خاص سمت میں چلا جارہا ہے جو اُس نے معیّن کی ہے۔ حیوان ایک ایسی گھوڑا گاڑی کی طرح ہے جو کوچوان کے بغیر ہو۔ اس کی فطری خواہشات یا جبلتوں میں سے ہر ایک تمام دوسری خواہشات سے قطع نظر کر کے اپنی تشفی کرتی ہے۔ حیوان کی ہر جبلّت کے اندر ایک زبردست حیاتیاتی زور یا دباؤ ہوتا ہے جس کی وجہ سے حیوان اس کی تشفی پر مجبوُر ہوتا ہے ہر جبلّت کی فعلیت بعض خاص اندرونی اور بیرونی حالات اور کوائف کے موجُود ہونے پر آغاز کرتی ہے جن کے مجموعہ کو جبلّت کی تحریک (Stimulus) کہا جاتا ہے۔ جبلّت کی تحریک اس وقت نمودار ہوتی ہے جب حیوان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اور نسل کی بقا کے لیے ایک خاص قسم کا عمل کرے۔ جب تحریک موجود ہوجاتے تو حیوان جبلّت کی فعلیت کو شروع ہونے اور انتہا تک پہنچنے سے روک نہیں سکتا۔ حیوان اس قابل نہیں ہوتا کہ کسی بہتر اور بلند تر مقصد کے لیے اپنی کسی جبلّت کی تشفی کو روک سکے، محدود کر سکے یا ترک کر سکے۔ در اصل حیوان جبلّتوں کی تشفی سے بالاتر کوئی مقصد رکھتا ہی نہیں۔ جب بھی حیوان کسی جبلّت کی مخالفت پر مجبور ہوتا ہے تو اس کی ایک جبلّت کسی دوسری جبلّت کی مخالفت کرتی ہے جس کے بعد طاقتور جبلّت کمزور جبلّت کی جگہ لے لیتی ہے اور کمزور جبلّت طاقتور جبلّت کی تشفی کے لیے راستہ چھوڑ دیتی ہے۔

انسان کے معاملہ میں صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہے انسان کی شخصیت ایک ایسی

© rasailojaraid.com

گھوڑا گاڑی کی طرح ہے جس میں ایک ہوشیار کوچوان موجود ہو۔ انسان میں بھی وہی جبلّتیں ہیں جو حیوان میں ہیں اور انسان میں بھی ان کا حیاتیاتی زور یا دباؤ ویسا ہی ہے جیسا کہ حیوان میں ہے۔ تاہم انسان حیوان کے برعکس اپنی ہر جبلّت کی تشفی کو جس حد تک چاہے روک سکتا ہے یا کم کر سکتا ہے یا بالکل ترک کر سکتا ہے تاکہ اپنی تمام جبلتوں کو اپنے کسی خاص مقصد کے ماتحت متحد اور منظم کرے اور کسی مطلوبہ سمت کی طرف ان کے اظہار کی راہ نمائی کرے۔ انسان جب اپنی کسی جبلّت کی مخالفت کرتا ہے تو اس کی مخالفت حیوان کی طرح بے اختیار اور خود بخود نہیں ہوتی بلکہ ایک اختیاری فیصلہ کے ماتحت ہوتی ہے۔ بالعموم وہ اپنی جبلتوں کی مخالفت اس طرح سے کرتا ہے کہ اس مخالفت کے دوران کسی جبلّت کی تشفی ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کبھی کبھی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام جبلّتی خواہشات کو روک دیتا ہے بلکہ اپنی جان کو جس کی حفاظت کے لیے جبلّتیں اپنا کام کرتی ہیں، قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تاکہ ہر مزاحمت کے بغیر کسی خاص مقصد کو جو اُسے پسند ہے حاصل کر سکے۔ حیوان کی زندگی عمل کے الگ الگ خانوں پر مشتمل ہوتی ہے جن میں سے ہر خانہ پر کسی جبلّت کا تسلّط ہوتا ہے اور کسی خانہ کا اس سے پہلے اور بعد کے خانہ کے ساتھ کوئی تعلّق نہیں ہوتا اس کے برعکس ایک فردِ انسانی کی زندگی ایک منظّم کُل یا وحدت کی صورت اختیار کرتی ہے اور ہر جبلّت کے فعل کو (جس حد تک اس کو اپنی تشفی کی اجازت دی گئی ہو) اس طرح سے نظم و ضبط میں لاتی ہے کہ وہ اس وحدت یا کُل کا ایک جزو بن جاتا ہے۔ انسان کی جبلّتی خواہشات کی یہ تنظیم یا وحدت اور یہ راہ نمائی یا تحدید جو انسان کی اس استعداد سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ جبلّتوں کی مخالفت کر سکتا ہے ہر گز ممکن نہ ہوتی، اگر انسان کے اندر ایک ایسی خواہش موجود نہ ہوتی جو جبلّتوں پر حکمرانی کر سکتی۔ انسان کی یہی پُر اسرار خواہش ہے جو اس کی شخصیّت کی گھوڑا گاڑی کے ہوشیار کوچوان کی حیثیّت رکھتی ہے اور اس کی شخصیّت کے اندر وحدت اور تنظیم پیدا کرتی ہے۔ اس خواہش کی خدمت اور اعانت کے لیے ہی انسان کی تمام دوسری خواہشات موجود ہیں۔

پُر اسرار حکمران انسانی خواہش کون سی ہے؟

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ پُر اسرار خواہش جو انسان کی شخصیّت کی گاڑی کے ڈرائیور کا مقام رکھتی ہے اور اُس کے تمام اعمال اور افعال کی قوّتِ محرّکہ ہے کون سی ہے! اس سوال کے جواب میں

ایک حقیقت بالکل واضح ہے کہ وہ کوئی ایسی خواہش ہی ہو سکتی ہے جس سے حیوان محروم ہے اور جو انسان ہی کا خاص امتیاز ہے۔

دورِ حاضر کے تمام حکماء جنہوں نے فطرتِ انسانی کے رموز و اسرار پر قلم اٹھایا ہے اس بات پر متفق ہیں کہ انسان میں یہ خواہش موجود ہے کہ وہ کسی نصب العین سے محبت کرے اور یہ خواہش انسان سے نچلے درجہ کے حیوانات میں قطعاً موجود نہیں۔ بظاہر نصب العین کی محبت کے علاوہ انسان میں اور خواہشات بھی ایسی ہیں جو انسان سے خاص ہیں اور حیوان میں قطعاً موجود نہیں۔ مثلاً نیک عملی کی خواہش، جستجوئے صداقت یا علم کی خواہش، تخلیقِ حسن یا آرٹ کی خواہش لیکن یہ تینوں خواہشات نصب العین کی خواہش کے ماتحت رہ کر اپنا اظہار پاتی ہیں، دراصل یہ تینوں خواہشات نصب العین کی محبت کے تین پہلو ہیں اور نصب العین کی محبت سے الگ اپنا وجود نہیں رکھتیں۔ نصب العین ایک ایسا تصور ہوتا ہے جسے انسان اپنے علم کے مطابق حسن اور کمال کی انتہا سمجھتا ہے۔ انسان سارا حسن جس کی وہ تمنا کرتا ہے اپنے نصب العین کی طرف منسوب کرتا ہے۔ نیکی صداقت اور آرٹ کی خواہشات کا منبع حسن کی یہی آرزو ہے جس کو انسان کا نصب العین اس کے خیال کے مطابق مکمل طور پر مطمئن کرتا ہے۔ حسن کی تمنا خواہ کوئی صورت اختیار کرے وہ دراصل انسان کے پسندیدہ نصب العین ہی کی تمنا ہوتی ہے۔ جب ہم اپنے اخلاق میں حسن کی تمنا کرتے ہیں تو اسے نیکی کا نام دیتے ہیں لیکن ہم اسی عمل کو نیک و حسین سمجھتے ہیں جو ہمارے اپنے نصب العین سے مطابقت رکھتا ہے۔ اسی طرح سے جب ہم اپنی معلومات میں حسن کی تمنا کرتے ہیں تو اسے علم یا صداقت کی جستجو کہتے ہیں لیکن ہم صرف ان ہی حقائق کو صحیح اور سچا سمجھتے ہیں جو ہمارے نصب العین سے مطابقت رکھتے ہوں یا اس کے خلاف نہ ہوں پھر اسی طرح سے جب ہم اپنی تخلیقات میں حسن کی تمنا کرتے ہیں تو اسے آرٹ کا نام دیتے ہیں لیکن کسی ایسی تخلیق کو حسین نہیں سمجھتے اور نہ اس کی تمنا کرتے ہیں جو ہمارے نصب العین سے مناسبت نہ رکھتی ہو اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ انسان کی تمام خواہشات میں سے صرف ایک خواہش ایسی ہے جو صرف انسان میں ہے اور حیوان میں نہیں۔ اور یہ مخصوص انسانی خواہش نصب العین کی محبت ہے۔ پھر کیا وہ پُراسرار خواہش جو انسان کی جبلتوں پر حکمران ہے جو اس کی شخصیت کی گاڑی کو اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہتی ہے چلاتی ہے اور جو اس کے تمام اعمال و افعال کا منبع اور سرچشمہ ہے یہی نصب العین کی محبت ہے

© rasailojaraid.com

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہو سکتا ہے اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کا نصب العین ہی اس کی تمام جبلّی خواہشات کو کم کرتا یا ترک کرتا ہے بلکہ نصب العین کی محبّت ہی وہ چیز ہے جس کی خاطر وہ خود اپنی جانِ عزیز کو بھی جس کی حفاظت کے لیے جبلّی خواہشات پیدا کی گئی ہیں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تاریخ کے مسلسل واقعات اس بات پر گواہ ہیں کہ انسان دار پر چڑھ جاتا ہے، سینے پر گولی کھا لیتا ہے، زہر کا پیالہ پی لیتا ہے لیکن نصب العین کی محبّت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے باز نہیں آتا۔

(جاری ہے)

لَن يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ

(الحج - آیت ۳۷)

اللہ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے -

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ!

عیدالاضحیٰ کے مبارک موقع پر قربانی کے ساتھ

قربانی کی رُوح اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف

عیدالاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی

کا مطالعہ ضرور کیجیے

• سفید کاغذ • رنگین [illegible] • ۴۸ صفحات • قیمت صرف چار روپے

قریبی بکسٹال سے خریدیے یا ہم سے منگوائیے!

مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶ - K ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴